کلمۂ طیبہ کی حقیقت

مولانا محمد منظور نعمانی

مجلس نشریات اسلام

۱۔ کے۔ ۳۔ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد۔ کراچی ۱۸

کلمۂ طیبہ کی حقیقت

جس میں اسلام کے کلمۂ دعوت

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

کے دونوں جزو (توحیدِ الٰہی اور رسالتِ محمدی)

کی تشریح پوری تحقیق کیساتھ اور تا امکان مؤثر انداز میں کیگئی ہے،
اور اس کلمہ کی رُوح و حقیقت کو واضح کر کے تبلایا گیا ہے کہ
اپنے ماننے والوں سے اس کلمہ کا مطالبہ کیا ہے!

از

محمد منظور نعمانی

جملہ حقوق طباعت و اشاعت پاکستان
میں بحق فضل ربی ندوی محفوظ ہیں

کتابت
فیض الحسن قاسمی اعظمی
طباعت
شکیل پرنٹنگ پریس، آرام باغ، کراچی

ناشر
فضل ربی ندوی

قیمت —

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمہ طیبہ

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

جزو اوّل ______ توحید الٰہی

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

کوئی معبود نہیں (یعنی کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں) اللہ کے سوا

ملتِ بیضا تن و جاں لا الٰہ — ساز مارا پردہ گرداں لا الٰہ
لا الٰہ سرمایۂ اسرارِ ما — رشتہ شیرازۂ افکارِ ما

حرفش از لب چوں بدل آید ہمی
زندگی را قوت افزاید ہمی

توحید، دین کی بنیاد اور ایمان کی جان ہے، اور اپنی اپنی امتوں کے لئے سب نبیوں کا پہلا پیغام ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ — اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی
مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ — رسول مگر ہم وحی کرتے ہیں اس کی طرف کہ
اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا — کوئی عبادت کے لائق نہیں میرے سوا
فَاعْبُدُوْنِ۔ (انبیاء ۲ع) — پس میری ہی عبادت اور بندگی کرو۔

اور اس توحید کے ماننے نہ ماننے اور اس کے مطابق چلنے نہ چلنے ہی پر انسان کی سعادت و شقاوت اور نجات و ہلاکت کا مدار ہے ——— صحیح مسلم میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا۔

ثِنْتَانِ مُوْجِبَتَانِ — دو چیزیں ہیں جو واجب کر دیتی ہیں

کسی نے عرض کیا، "یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْمُوْجِبَتَانِ؟" حضرت کون دو چیزیں ہیں واجب کر دینے والی؟ ——— حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ مَاتَ یُشْرِكُ — جو شخص اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک کرتا
بِاللّٰهِ شَیْئًا دَخَلَ النَّارَ — ہوا (یعنی کسی طرح کا شرک کرتا ہوا)
وَمَنْ مَاتَ لَا یُشْرِكُ — مرا وہ دوزخ میں جائے گا، اور جو ایسے
بِاللّٰهِ شَیْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ — حال میں مرا کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک
(مسلم) — نہیں کرتا تھا (یعنی شرک سے پاک اور
مرا تھا) تو وہ جنت میں جائے گا۔

ایک دوسری حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔

إِنَّ حَقَّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ	بیشک اللہ کا خاص حق اپنے بندوں پر
يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا	یہ ہے کہ وہ اسکی عبادت کریں اور اسکے
وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ أَنْ لَا	ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، اور بندوں
يُعَذِّبَ مَنْ لَا يُشْرِكُ بِهِ	کا حق اللہ پر یہ ہے کہ وہ اُن لوگوں کو
شَيْئًا (بخاری ومسلم)	عذاب میں نہ ڈالے جو شرک نہ کرتے ہوں۔

ایک اور حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا إِلٰهَ	جو کوئی بندہ "لا الٰہ الا اللہ" کا قول کہے
إِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ مَاتَ عَلٰى	(یعنی توحید کو اپنا دین بنالے اور اس پر
ذٰلِكَ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ	قائم ہو جائے) اور پھر اسی حال پر مر جائے
(بخاری ومسلم)	تو یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ جنت میں نہ جائے۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت ابوہریرہؓ سے ارشاد فرمایا کہ:۔ جاؤ! اور جو ایسا آدمی ملے، کہ

يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ	وہ دل کے یقین کیساتھ "لا الٰہ الا اللہ"
مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهُ فَبَشِّرْهُ	کی گواہی دیتا ہو، اس کو میری طرف سے
بِالْجَنَّةِ۔ (مسلم)	جنت کی بشارت سنادو۔

اسی طرح حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ	جو کوئی اس حال میں دنیا سے گیا کہ وہ

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (مسلم)	"لا الٰہ الا اللہ" پر یقین و اعتبار رکھتا تھا، تو وہ جنت میں جائے گا۔

اور حضرت معاذؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ارشاد فرمایا۔

مَفَاتِيحُ الْجَنَّةِ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ (رواہ احمد)	کلمہ "لا الٰہ الا اللہ" کی شہادت جنت کی کنجی ہے۔

اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مروی ہے، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔

مَا نَجَاةُ هٰذَا الْأَمْرِ؟	اس دین میں نجات کا خاص نقطہ کیا ہے؟
فَقَالَ مَنْ قَبِلَ مِنِّي الْكَلِمَةَ	تو آپ نے فرمایا۔ جس نے میرا لایا ہوا کلمہ
الَّتِي عَرَضْتُهَا عَلَى عَمِّي	(لا الٰہ الا اللہ) میری دعوت پر قبول کرلیا
فَرَدَّهَا فَهِيَ لَهُ نَجَاةٌ	جو میں نے اپنے چچا (ابوطالب پر ان کے
(رواہ احمد)	آخری وقت میں) پیش کیا تھا اور انھوں نے اس کو نہ مانا، تو وہی کلمہ ماننے والے کے لیے اصل نقطۂ نجات ہے —

لیکن ان حدیثوں کا مطلب یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ بس "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" کہنے اور توحید کا اقرار کرلینے ہی سے ہم نجات کے مستحق اور جنت کے ٹھیکہ دار ہو گئے، بلکہ ان احادیث کا مطلب صرف یہ ہے کہ نجات کی سب سے بڑی اور پہلی شرط یہ توحید ہے اور اس کے بغیر نجات قطعاً ناممکن ہے، تو جس نے اس دعوتِ توحید کو قبول کرلیا اُس نے نجات کی یہ بڑی شرط پوری کردی اور شرک کی وجہ سے نجات اور جنت

کا دروازہ جو اس کے لئے قطعی بند تھا، وہ اب توحید کو اختیار کر لینے کی وجہ سے کھل گیا، رہے اس کے علاوہ اور شرائط، مثلاً ایمان بالرسول، ایمان بالیوم الآخر اور دین کے اہم مطالبات مثلاً صلوٰۃ و زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی، تو ان کا معاملہ بجائے خود ہے، اور قرآن و حدیث میں اپنے موقع بیان شرائط کو بھی پوری وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ اور دوسرے طور پر یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ "لا الٰہ الا اللہ" کو قبول کر لینا اور توحید کو اختیار کر لینا درحقیقت پورے دین کو قبول کر لینے اور اختیار کر لینے کا ایک عنوان ہے" اور اس لئے ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ جس نے "لا الٰہ الا اللہ" کو قبول کر لیا یعنی جس نے اُس پورے دین کو اختیار کر لیا جس کی اصل و اساس اور جڑ بنیاد "لا الٰہ الا اللہ" ہے تو وہ ضرور جنت میں جائے گا۔

بہر حال مندرجہ بالا تمام حدیثوں میں (اور ان کے علاوہ بھی اور بہت سے نصوص میں) بڑی صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ نجات کا اصل دارومدار توحید پر، یعنی "لا الٰہ الا اللہ" کے پیغام کو قبول کر لینے اور اس کو اپنا اصول زندگی بنا لینے پر ہے۔

توحید کی حقیقت اور "لا الٰہ الا اللہ" کا مطلب

لیکن اس توحید کی حقیقت اور اس "لا الٰہ الا اللہ" کا مطلب سمجھنے کے لئے سب سے پہلے یہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ جہاں تک خدا کی ذات اور اس کی صفت خلق و ایجاد اور

اور تدبیرِ عالم (یعنی دنیا کے پیدا کرنے اور اس کارخانۂ عالم کو چلانے) کا تعلق ہے تو عرب کے وہ مشرک بھی جن کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے توحید کا پیغام پیش کیا، وہ بھی اس حیثیت سے خدا کو "وحدہٗ لاشریک" مانتے تھے یعنی اپنا عقیدہ وہ یہی ظاہر کرتے تھے کہ اللہ جو اس دنیا کا پیدا کرنے والا ہے وہ اپنی ذات میں بالکل اکیلا اور لاشریک ہے۔ اسی نے زمین و آسمان اور اس سارے سنسار کو پیدا کیا ہے اور وہی دنیا کے اس پورے کارخانہ کو چلا رہا ہے، قرآن مجید میں مشرکین عرب کا یہ اقرار اور اعتقاد جابجا نقل کیا گیا ہے۔
(سورۂ یونس ع ۴، سورۂ مومنون ع ۵، سورۂ عنکبوت ع ۶)

مشرکینِ عرب کا شرک اور دعوتِ توحید کا ان سے مطالبہ

مگر اس کے باوجود چونکہ وہ عبادت[1] میں جو صرف اللہ کے لئے ہونی چاہیئے اپنے دیوتاؤں اور فرضی معبودوں کو بھی شریک کرتے تھے اور اُن کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہوئے اپنی خاص حاجات اور مشکلات میں اُن سے دعائیں کرتے اور مدد مانگتے تھے، اسلئے مشرک قرار دیئے گئے[2]۔ بہرحال عرب جاہلیت کی تاریخ اور قرآن شریف کی صدہا

---

[1] عبادت سے مراد یہاں انسانوں کے وہ خاص اعمال ہیں جو کسی ہستی کو الٰہ و معبود اور نفع و ضرر کا مالک و مختار سمجھ کر اُس کے سامنے اپنی گرویدگی اور محتاجی و نیازمندی اور ذلت و پستی کے اظہار (بقیہ صفحہ ۹ پر)

آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا بڑا شرک یہی دو طرح کا شرک تھا (یعنی ایک شرک فی العبادت اور دوسرا شرک فی الاستعانت) پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے "لا الٰہ الا اللہ" کا جو پیغام ان کے سامنے پیش کیا، اس کا اولین مطالبہ ان سے یہی تھا کہ جس اللہ کو تم اس کی ذات میں اور اس دنیا کے پیدا کرنے اور

(صث کا بقیہ حاشیہ) کے لئے اور اس کو راضی اور خوش کرنے کے لئے ہی کئے جاتے ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، صدقہ، سجدہ، طواف، دعا، نذر و نیاز اور قربانی وغیرہ ــــ اس قسم کا کوئی عمل اگر غیر اللہ کے لئے کیا جائے، تو اس کا کرنے والا قرآن پاک کی رو سے قطعاً مشرک ہے، اور دنیا کی اکثر مشرک قوموں میں یہی شرک رہا ہے، اور شرک فی العبادت اسی کو کہتے ہیں ــــ اور انبیاء علیہم السلام کو زیادہ تر اسی شرک سے لڑنا پڑا ہے۔ ۱۲

سلہ معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالم اسباب میں جو تاثیریں اور خاصیتیں جن چیزوں میں رکھ دی ہیں، مثلاً آگ میں گرمی، پانی میں ٹھنڈک اور پیاس بجھانے کی خاصیت یا مثلاً تلوار میں کاٹنے کی صلاحیت تو ان چیزوں سے ان مقاصد میں کام لینا ہرگز توحید کے منافی نہیں ہے بلکہ عین منشاء الٰہی ہے" هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا" (یعنی وہی اللہ ہے جس نے پیدا کیا تمہارے واسطے وہ سب کچھ جو زمین میں ہے) اور علیٰ ہذا اپنے جن بندوں کو جو مجازی طاقتیں اور قابلیتیں اس عالم اسباب میں اللہ تعالیٰ نے عطا کر رکھی ہیں، مثلاً طاقتور کو اس قابل کر دیا کہ وہ کمزوروں کی مدد کر سکے، یا مثلاً بادشاہوں اور (بقیہ صلہ پر)

چلانے میں وحدہٗ لاشریک سمجھتے ہو" عبادت و استعانت* کا تعلق بھی صرف اسی سے رکھو، اُس کے سوا کسی کی پوجا نہ کرو، کسی کو اپنا حاجت روا نہ سمجھو، اور اپنی حاجات و مشکلات میں اُس کے سوا کسی کو نہ پکارو، یہی آپ کی دعوتِ توحید کا اوّلین مطالبہ تھا، اور اسی کو آپ اپنے دین کی بنیاد اور اصل و اساس کی

(صفحہ ۹ کا بقیہ حاشیہ) اور حاکموں کو سلطنت و حکومت کی وہ قوت عطا فرما دی کہ وہ ظالم سے مظلوم کا انتقام لے سکیں، یا مثلاً طبیبوں اور ڈاکٹروں کو) یہ صلاحیت بخشدی کہ وہ بیماروں کا علاج کر سکیں، یا مثلاً ہر ایک کو اس لائق بنا دیا کہ وہ دوسروں کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کر سکے، وغیرہ وغیرہ، تو سلسلۂ اسباب و مسبّبات کے ماتحت ان لوگوں سے ان امور میں مدد لینا جیسا کہ دنیا میں عام طور سے رائج ہے ہرگز شرک نہیں ہے، بلکہ مقامِ توکل کے بھی خلاف نہیں ہے۔ بہرحال غیر اللہ سے وہی استعانت (مدد مانگنا) شرک ہے جو اللہ کے قائم کئے ہوئے اس سلسلۂ اسباب و مسبّبات سے بالاتر کسی ہستی کو نفع و ضرر کا مالک مختار اور فاعل بالاختیار سمجھ کر کی جائے، جیسا کہ بُت پرست اپنے بتوں اور دیوتاؤں سے اور بہت سے جاہل اور ناخدا شناس آدمی ارواحِ خبیثہ اور جنّات اور شیاطین سے اور بہت سے نام کے مسلمان اصلی یا فرضی ولیوں شہیدوں سے اور ان کے مزارات سے اپنی مرادیں مانگتے ہیں اور اپنے مقاصد کے لئے اُن سے دعائیں کرتے ہیں اور اسی مشرکانہ اعتقاد کی بنا پر اُن کی خوشامد کیلئے نذر نیاز وغیرہ عبادات کرتے ہیں، سوا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی بھی مخلوق کے ساتھ جو کوئی (اگلے صفحہ پر)

حیثیت سے پیش کرتے تھے - سورۂ یونس کے آخری رکوع میں فرمایا گیا :-

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ	اے پیغمبر! ان لوگوں کے سامنے اعلان
فِي شَكٍّ مِنْ دِينِي فَلَا	کر دو کہ اے لوگو! اگر تم میرے دین کے متعلق
أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ	کسی شک و شبہ میں ہو تو (سنو میرا طریقہ
مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ أَعْبُدُ	یہ کہ) میں نہیں عبادت کرتا اُن کی
اللَّهَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ	جن کو تم پوجتے ہو، لیکن میں صرف اس
وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ	اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تم کو اٹھا لیتا
الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَأَنْ أَقِمْ	ہے (یعنی جس کے قبضہ میں تمہاری موت و
وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا وَ	حیات ہے) اور مجھ کو حکم ہے کہ ہو جاؤں میں
لَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ	ایمان والوں میں سے اور نیز مجھے حکم ہے کہ سیدھا
وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ	کرے رخ اپنا اس دین کیلئے (یعنی توحید
مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ	کیلئے) یکسو ہو کر اور مت ہو شرک

(صـ کا بقیہ حاشیہ) ایسا برتاؤ کرے اور ایسے امور میں اس سے مدد کا طالب ہو وہ بیشک مشرک ہے
—— حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی بے نظیر کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں شرک
توحید کی بحث میں بڑی وضاحت سے "استعانت" کی ان دونوں قسموں کے فرق کو بیان کیا ہے
ہم نے یہاں جو کچھ لکھا ہے یہ گویا اسی کا خلاصہ ہے - ۱۲

فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا
مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَإِنْ
يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا
كَاشِفَ لَهٗٓ إِلَّا هُوَ ۚ
وَإِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا
رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۚ يُصِيْبُ بِهٖ
مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَهُوَ
الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ ——

(یونس - ع - ۱۱)

کرنیوالوں میں سے، اور مت پکار اللہ کے
سوا کسی ایسے کو جو نہ تجھے کوئی نفع دے سکے،
اور نہ کچھ ضرر پہنچا سکے، اور اگر تو نے یہ کیا
تو پھر تو بھی ظالموں میں ہو جائے گا اور
اگر اللہ پہنچائے تجھے کوئی تکلیف تو کوئی
نہیں ہے اسکو ہٹا سکنے والا اسکے سوا،
اور اگر وہ چاہے تجھے کسی بھلائی سے نوازنا
تو پھر کوئی نہیں روکنے والا اسکے فضل کو
پہنچا دے جسے چاہے اپنے بندوں میں سے
اور وہی بخشنے والا مہربان ہے

اسی طرح اور بھی بہت سی آیات ہیں "توحید فی العبادت" اور توحید فی الاستعانت کو ساتھ ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

عبادت واستعانت کا باہمی لزوم

اور یہ عبادت واستعانت باہم کچھ لازم ملزوم سی بھی ہیں، مشرک لوگ کسی دیوتا کی پوجا عموماً اسی غلط فہمی کی بنیاد پر کرتے ہیں کہ اپنی حماقت سے وہ ان کو نفع ونقصان اور بناؤ بگاڑ کا مالک ومختار اور حاجت روا ومشکل کشا سمجھنے لگتے ہیں

بہر حال نفع و ضرر کا عقیدہ ہی معبودانِ باطل کی پوجا کا سبب بنتا ہے۱؎۔ اسی لئے قرآنِ مجید میں تعلیم توحید کے سلسلے میں بار بار اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ مشرک جن فرضی معبودوں کی پوجا کرتے ہیں اُن کے قبضہ و اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ — (اے رسولؐ اِن مشرکوں سے) کہو کہ
مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَا یَمْلِکُوْنَ — خدا کے سوا تم جن کو حاجت روا اور
مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ فِی السَّمٰوٰتِ — کارساز سمجھے ہوئے ہو اُن کو پکار دیکھو وہ
وَلَا فِی الْاَرْضِ وَمَا لَھُمْ — ذرہ برابر اختیار نہیں رکھتے آسمانوں
فِیْھِمَا مِنْ شِرْکٍ وَّمَا لَہٗ — میں اور نہ زمین میں اور نہ ان دونوں میں

۱؎ یہی وہ بلیغ اور اہم نکتہ ہے جس پر حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خاص فاروقی شان کے ساتھ اس وقت تنبیہ فرمائی جب کہ حج کے موقع پر حجرِ اسود کو چومنے سے پہلے بآوازِ بلند آپ نے اپنے اس اذعان و یقین کا اعلان فرمایا۔

وَاَیْمُ اللّٰہِ اِنَّکَ حَجَرٌ لَا تَنْفَعُ — اور قسم خدا کی تو بس ایک بے جان پتھر ہے
وَلَا تَضُرُّ ——— — نہ کسی کو کوئی نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان
(صحیح بخاری) — دے سکتا ہے۔

انھیں لفظوں سے آپ نے یہ بھی بتلا دیا کہ حجرِ اسود کو جاکے چومنے اور اس کی تعظیم کرنے میں اور بت پرستوں کے اپنے بتوں کے ساتھ طرزِ عمل میں کیا اصولی اور بنیادی فرق ہے۔ ۱۲

مِنْهُمْ مِنْ ظَهِيرٍ ـــ	ان کی کوئی شرکت ہے اور نہ ان میں
(سـبا ع-۳)	سے کوئی خدا کا مددگار ہے ۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ	کہو! تم پکار دیکھو اپنے اُن دیوتاؤں کو
مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ	جن کو خدا کے سوا تم اپنا کارساز سمجھے
كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ	ہوئے ہو۔ وہ نہ تو تم سے تکلیف دور کرنے
وَلَا تَحْوِيلًا ۝	کا اختیار رکھتے ہیں، اور نہ تکلیف
(بنی اسرائیل ع ۱۰)	ٹال ہی سکتے ہیں ۔

اِن آیات اور ان جیسی دوسری آیات میں اگرچہ بظاہر مشرکین کے معبودانِ باطل کی بے بسی اور عاجزی ظاہر کر کے صرف شرک فی الاستعانت کا رد کیا گیا ہے لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا چونکہ عبادت عموماً نفع و ضرر ہی کے عقیدہ سے اور استعانت ہی کے راستہ سے پیدا ہوتی ہے ۔ اس لئے انہی آیات سے شرک فی العبادت کا بھی رد ہوتا ہے اور اسیطرح جن آیات میں براہِ راست صرف شرک فی العبادت کا رد کیا گیا ہو اس ہی لزوم کی وجہ سے انہی سے بالواسطہ شرک فی الاستعانت کا بھی رد ہو جاتا ہے۔

بہر حال مشرکین عرب جو قرآن مجید کے پیغام توحید کے اولین مخاطب تھے، انکا بڑا اور اول درجہ کا شرک یہی شرک فی العبادت اور شرک فی الاستعانت تھا، اور اس لئے "لا الٰہ الا اللہ" کے ذریعہ اُن کو جس توحید کا پیغام دیا گیا اُس کا اولین مطالبہ ان سے یہی تھا کہ وہ عبادت اور استعانت میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک

نہ کریں، اور خود ہم سے بھی ہر نماز کی ہر رکعت میں اسی کا اقرار ان لفظوں میں کرایا جاتا ہے:۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ	اے اللہ! ہم صرف تیری ہی عبادت
نَسْتَعِينُ ۔	کرتے ہیں، اور تیری ہی عبادت کرینگے

اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگیں گے۔

توحید کا پہلا درجہ

بہر حال اللہ تعالیٰ کو ذات وصفات میں واحد و یکتا ماننے کے بعد عملی زندگی میں یہ "توحید فی العبادت" اور "توحید فی الاستعانت" توحید کا وہ ضروری، اور اولی درجہ ہے کہ اس پر ایمان لائے اور اس کو اختیار کئے بغیر کوئی شخص مسلمان ہی نہیں ہو سکتا، اور جو کوئی توحید کے اس درجہ سے بھی خالی ہاتھ گیا، اور ایسے حال میں مرا کہ وہ اللہ کی ذات وصفات یا عبادت واستعانت میں اللہ کے ساتھ ساتھ کسی اور کو بھی شریک کرتا تھا، تو اللہ نے جنت اُس پر حرام کر دی ہے۔

إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ	بیشک جو شرک کرے گا اللہ کے ساتھ
حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ	تو حرام کر دی ہے اللہ نے اُس پر جنت
وَمَأْوَاهُ النَّارُ (المائدة)	اور دوزخ ہی ہے اس کا ٹھکانا۔

اور یہی وہ شرک عظیم ہے جس کو اللہ ہرگز نہیں بخشے گا۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ	یقیناً اللہ نہیں بخشے گا شرک کو، اور
بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ	بخش دے گا اس سے ورے کے گناہ
لِمَنْ يَّشَاءُ (النساء۔ ۱۰۵)	جسکے چاہے گا۔

توحید کے ثانوی مطالبے

پھر آدمی جب توحید کے اِس اوّل اور ابتدائی مطالبہ کو پورا کرے اور یہ درجہ اسکو حاصل ہو جائے تو اس کے بعد اس کے کچھ اور بھی اہم مطالبے ہیں، جن کے بغیر توحید کامل نہیں ہوتی، مثلاً یہ کہ وہ فیصلہ کرے کہ مجھے صرف اللہ کے حکم پر چلنا ہے، اُسی کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنا ہے، اُس کے حکم کے مقابلہ میں اپنے باپ دادا کے طریقے یا قومی رسم ورواج یا حکومتِ وقت کے قانون یا دنیا والوں کی بھلائی یا خود اپنی مصلحت اور جی کی خواہش کو یا دوسرے لوگوں کی پسند اور خوشی کو نہیں دیکھنا ہے، بلکہ اس کے حکم کے مقابلہ میں ان سب چیزوں کو پس پشت ڈال کر بس اسی کے حکم اور اس کی مرضی پر چلنا ہے، بہرحال تکمیل توحید کیلئے ضروری ہے کہ بندہ اپنی پوری زندگی میں یعنی زندگی کے ہر شعبہ میں اللہ ہی کے حکم پر چلنے کا فیصلہ کرے، اور ہر حال میں اس کی اطاعت اور غلامی کو اپنا اصول زندگی بنائے ـــ آیاتِ ذیل میں توحید کے اسی درجہ کا بیان ہے:۔

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهٗ	کیا تم نے اُس کو دیکھا جس نے اپنی

هَوَاهُ قُلْ إِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (بقرہ۔ ع ۱۴)

اپنی ہوا و ہوس کو اپنا معبود بنا لیا ہے، کہہ دیجئے کہ اللہ کی ہدایت ہی سچی ہدایت ہے اور اگر تو نے ان کی خواہشات (اور ان کے من مانے خیالات) کی پیروی کی بعد اسکے کہ آچکا تیرے پاس حقیقی علم تو نہیں ہوگا تیرا کوئی حامی اور مددگار۔

قُلْ إِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَأُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الانعام۔ ع ۹)

کہہ دو اللہ کی ہدایت ہی سچی ہدایت ہے اور ہم کو حکم ہے کہ رب العالمین ہی کی فرمانبرداری کریں۔

اِتَّبِعُوْا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖ أَوْلِيَاءَ (الاعراف۔ ع ۱)

پیروی کرو اس کی جو تمہاری طرف اتارا گیا ہے تمہارے پروردگار کی طرف سے، اور نہ پیروی کرو اسکے سوا اور آقاؤں کی۔

ان آیات کا مطالبہ ایمان والوں سے یہی ہے کہ وہ اپنی زندگی کو صرف اللہ کی ہدایت کے تابع کر دیں، اور زندگی کے ہر شعبہ میں بس اسی کے حکم پر چلیں۔ یقیناً بہت سوں کیلئے توحید کا یہ مطالبہ مشکل اور سخت ہے، لیکن کوئی شبہ نہیں کہ "لا الٰہ الا اللہ" ان سے یہی

چاہتا ہے، اور اس کے بغیر اُن کا ایمان و اسلام کامل نہیں۔ ؎

چو می گویم مسلمانم بلرزم — کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را

اسی طرح توحید کا ایک تکمیلی مطالبہ ایمان والوں سے یہ بھی ہے کہ اسی کی نادر و قیوم ذات پر وہ توکل و بھروسہ رکھیں، اور اسی کو اپنا حافظ و ناصر اور ملجا و ماوی سمجھیں، اسی سے خیر اور بھلائی کی امیدیں رکھیں، صرف اسی کے غضب اور قہر سے ڈریں[۱]، اور اسی کی نصرت و اعانت کے اعتماد پر دنیا کی کسی بڑی سے بڑی طاقت کی بھی پروا نہ کریں۔

وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللّٰهَ — اور نہیں ڈرتے ہیں وہ اللہ کے سوا کسی سے

(سورۂ احزاب ع ۵)

موحد کہ در پائے ریزی زرش — وگر آرہ مے نہی بر سرش

امید و ہراسش نباشد ز کس — ہمین است بنیادِ توحید و بس

۱؎ واضح رہے کہ غیر اللہ سے صرف وہی ڈرنا اس توحید کے منافی ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اس کی شان "فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ" سے ناآشنائی یا کم اعتمادی کی وجہ سے ہو، جیسا کہ عام طور سے ضعیف الایمان لوگوں کا حال ہوتا ہے۔ ورنہ کسی خوفناک مخلوق مثلاً درندہ یا سانپ سے یا کسی بے درد اور ظالم حاکم وقت سے صرف طبعی طور پر ڈرنا تو انسانی فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے، اور یہ توحید کے اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کے بھی منافی نہیں ہے۔ ۱۲

الغرض یہ سب "لا الٰہ الا اللہ" کے اہم مطالبات میں سے ہے، اور جس شخص میں جتنی کمی اس بارے میں رہے گی سمجھنا چاہیئے کہ اس کی توحید اتنی ہی ناقص اور ادھوری رہے گی، اور وہ اسی حساب سے شرک میں گرفتار رہے گا، اور جس میں یہ باتیں جسقدر کامل درجہ میں ہوں گی، اس کی توحید بھی اتنے ہی کامل درجہ کی ہوگی۔

اس موقع پر یہ بتا دینا بھی مناسب ہوگا کہ مادہ پرست اور خدا فراموش یورپ میں ہیرو پرستی، قوم پرستی اور وطن پرستی کی قسم کی جو گمراہیاں پیدا ہوئی ہیں اور جس طرح ان کا ظہور ہو رہا ہے یہ سب بھی شرک ہی کی ذریات ہیں، اور اسلام "لا الٰہ الا اللہ" ہی کی ضرب سے ان نئے "معبودوں" کو بھی مٹانا چاہتا ہے۔

مثلاً اپنے قومی ہیروؤں کی مطلق اور غیر مشروط پیروی کرنا، انکے مجسّمے نصب کرانا اور ان کی تصویروں اور مجسموں کے سامنے بھی تعظیم وعقیدت کے مظاہرے کرنا، سلامی دینا، سر جھکانا اور اُن پر ہار پھول چڑھانا، اور قومی و اجتماعی معاملات میں قانونِ الٰہی سے بے پروا ہو کر اپنے خدا ناشناس لیڈروں کی پیروی کرنا، تو ہیرو پرستی اور لیڈر پرستی کی یہ سب صورتیں بھی "لا الٰہ الا اللہ" کے پیغامِ توحید کے قطعاً منافی ہیں، اور اسلام میں ان کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

علیٰ ہذا یورپ نے قوم اور وطن کو آج "آلہ" کی جو حیثیت دے رکھی

ہے اور جس طرح اس کی عظمت و تقدیس کے گیت گائے جاتے ہیں، اور اپنی اپنی قوم اور اپنے اپنے وطن کی سربلندی کو ان پرستارانِ قوم و وطن نے جس طرح "نصب العین" اور "مقصدِ حیات" کا درجہ دے رکھا ہے اور حق و باطل، مصالح و مفاسد سے قطع نظر کر کے قوم و وطن کی وفاداری کو جس طرح ایک "مستقل" "دین" بنا لیا گیا ہے (اور مسلمانوں میں بھی یہ سب گمراہیاں بڑی تیزی کے ساتھ سرایت کرتی جا رہی ہیں) تو یہ سب بھی اسلام کے نقطۂ نظر سے ایک طرح کا شرک ہی ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ یورپ کے تراشے ہوئے یہ نئے بُت (ہیرو، قوم، وطن وغیرہ) ایک لحاظ سے پتھر کے پُرانے بتوں سے بھی زیادہ فتنہ انگیز ہیں، اقبال نے سچ کہا ہے۔ ؎

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور ساقی نے بنائی روشِ لطف و کرم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور

اِن تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اُس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

اقبال ہی نے اِس بارے میں ایک دوسری جگہ کہا ہے، ؎

فکرِ انساں بُت پرستے بُت گرے ہر زماں در جستجوئے پیکرے
باز طرحِ آزری انداختہ است تازہ تر پروردگارے ساختہ است

کاید از خوں ریختن اندر طرب | نام او رنگ ست ہم ملک و نسب
آدمیت کشتہ شد چوں گوسفند | پیش پائے ایں بُتِ ناارجمند
اے کہ خوردستی ز مینائے خلیل | گرمیِ خونت ز صہبائے خلیل
بر سرِ ایں باطلِ حق پیرہن | تیغ "لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا ہُو" بزن

توحید کا اعلیٰ درجہ پھر اس سے بھی آگے توحید کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ہم صرف اللہ ہی سے لَو لگائیں اور اسی کو اپنا حقیقی محبوب اور مقصود و مطلوب بنائیں، پھر اس کے عشق و محبت میں ہم ایسے فنا ہوں کہ جو کچھ کریں صرف اسی کے لئے کریں، اور اس کی رضا کے سوا ہر چیز کی خواہش ہمارے قلب سے نکل جائے[1]، پھر ہمارا ہر عمل، صرف نماز یا روزہ ہی نہیں، بلکہ ہمارا کھانا اور پینا، سونا اور جاگنا، رونا اور ہنسنا، کسی سے خوش ہونا اور زیادہ جامع لفظوں میں ہمارا مرنا اور جینا سب اللہ کے لئے اور صرف اُسی کی رضا کے واسطے ہو، گویا کہ "مَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" ہمارا حال ہو، اور ہمارے دل کی یہ پکار ہو سه

---

[1] امام ربانی مجدد الف ثانی رح اپنے ایک مکتوب میں توحید کے اسی درجہ کے متعلق ارقام فرماتے ہیں:

"توحید عبارت از تخلیص قلب است از توجہ ما دون او سبحانہ تا زمانیکہ دل را گرفتاری با سوائے حق اگرچہ باندک قلیل باشد از ارباب توحید نیست" (مکتوب نمبر ۱۲ جلد اول) (تعریف صـــ۲۲)

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے تو زیم — خاکے شوم و بزیر پائے تو زیم
مقصودِ من خستہ ز کونین توئی — از بہرِ تو میرم و برائے تو زیم

توحیدِ کامل کے آثار و نتائج

جب اللہ کے کسی بندے کو توحید کا یہ اعلیٰ مقام حاصل ہو جاتا ہے تو پھر اس کا ہر کام صرف اللہ کے لئے ہونے لگتا ہے، حتیٰ کہ بظاہر اگر وہ اپنے ذاتی اور خانگی کام بھی کرتا ہے تو وہ بھی اپنی ضرورت کے احساس اور نفسانی تقاضے سے نہیں، بلکہ اللہ کے حکم کی تعمیل کی نیت سے اور اس کی رضا کے لئے کرتا ہے اور یہ بات (یعنی ہر چھوٹا بڑا کام رضائے الٰہی کیلئے ہی کرنا) اس بندۂ خدا کے لئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱) اور سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ "فتوح الغیب" میں فرماتے ہیں:-

لیس الشرك عبادة الاصنام بل هو متابعتك لهواك وان تختار مع ربك عز وجل شيئا سواه من الدنيا وما فيها والاخرة وما فيها فما سواه عز وجل غيره فاذا اركنت الى غيره فقد اشركت به عز وجل غيره ——— (فتوح الغیوب مقالہ ہفتم)

مطلب یہ ہے کہ صرف بت پرستی ہی شرک نہیں ہے، بلکہ یہ بھی شرک ہے کہ تو اپنی خواہشِ نفس کا تابع ہو جائے اور اپنے پروردگار کے ساتھ تو دنیا یا آخرت کی کسی اور چیز کو اختیار کرے، پھر جب اللہ کے سوا کسی اور کی طرف تیری چاہت کا میلان ہوا تو گویا تو نے اس کے غیر کو شریک کر لیا۔ ۱۲

بالکل ایسی طبعی بات ہو جاتی ہے جس طرح عوام الناس ہر کام اپنی ضرورت سے اور اپنے نفس کی خواہش سے کرتے ہیں[1]۔ یہ درجہ توحید اور اخلاص کا اعلیٰ درجہ ہے، اور یہی مقام فنا ہے، اور اسی مقام پر پہونچ کے "لا الٰہ الا اللہ" کی تکمیل ہوتی ہے حدیث میں ہے :-

"مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ"۔ (رواہ ابوداؤد عن ابی امامہ مشکوٰۃ)

مطلب حدیث کا یہ ہے کہ جس نے اللہ کے لئے محبت کی (جس سے محبت کی) اور اللہ ہی کے لئے بغض رکھا (جس سے بغض رکھا) اور اللہ ہی کے لئے دیا (جسکو کچھ دیا) اور اللہ ہی کے لئے دینے سے ہاتھ روکا (جس کو دینے سے ہاتھ روکا) غرض جس کا یہ حال ہو گیا کہ وہ سب کچھ اللہ ہی کے لئے کرنے لگا، تو اس نے

---

[1] امام ربانی اپنے ایک مکتوب گرامی میں ان اہل اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں :-

" اولیاء اللہ ہر چہ کنند برائے حق می کنند جل وعلا نہ برائے نفس خود، چہ نفس ایشاں فدائے حق شدہ است، در خصوص اخلاص و تصحیح نیت ایشاں را در کار نیست، نیت ایشاں بہ فنائی اللہ و بقا باللہ تصحیح یافتہ است، مثلاً شخصے کہ گرفتار نفس خود است، ہر چہ می کند برائے نفس خود می کند، نیت کند یا نہ کند و چوں ایں گرفتاری نفس زائل شود و گرفتاری حق جل وعلا بجائے آں نشیند ناچار ہر چہ کند برائے حق کند، نیت درست دہد یا نہ، نیت در محل در کار است در تعیین احتیاج بہ تعیین نیست۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ " (مکتوب نمبر ۱۷ جلد اول)

ایمان کی تکمیل کرلی۔

اللہ کے جن بندوں کو اس نسبت کا کچھ حصہ مل گیا، ان کو کونین کی سب سے بڑی دولت مل گئی یہی وہ "مردانِ خدا" ہوتے ہیں، جن کو راہِ خدا میں راحت و مصیبت بالکل یکساں ہوتی ہے، اور زندگی ان کو موت سے زیادہ محبوب و مرغوب نہیں ہوتی، انکے دل کے ساز سے ہر وقت یہ آواز نکلتی ہے، ؎

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو
دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

بلکہ وہ اللہ سے آرزوئیں کرتے ہیں کہ انھیں بار بار زندگی دی جائے تاکہ وہ بار بار راہ خدا میں قربان ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اسی جذبہ کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے:۔

وَدِدْتُ أَنْ أُقْتَلَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ
ثُمَّ أُحْيَى ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَى
ثُمَّ أُقْتَلُ ــــــــ

میرا جی چاہتا ہے کہ راہ خدا میں مجھے شہید کیا جائے اور پھر مجھے زندہ کیا جائے، اور پھر میں شہید کیا جاؤں پھر میں جلایا جاؤں، اور پھر شہید کیا جاؤں۔

نخواہم از خدا بہ دعا صد ہزاراں جاں
تا صد ہزار بار بہ میرم برائے تو

اہلِ توحید کا فولادی عزم اور طاقتِ انقلاب

یہی وہ مستِ الست ہوتے ہیں کہ مشکلات اور خطرات ان کا راستہ

نہیں روک سکتے، بلکہ وہ کسی خطرے کو خاطر ہی میں نہیں لاتے ؎

عشق را از تیغ و خنجر باک نیست　　اصلِ عشق از آب و باد و خاک نیست

در جہاں ہم صلح ہم پیکارِ عشق　　آبِ حیواں تیغِ جوہر دارِ عشق

از نگاہِ عشق خارا شق شود

عشقِ حق آخر سراپا حق شود

ان عشق بازوں کے زور یدِ الٰہی کا کون اندازہ کر سکتا ہے، یہ مردانِ خدا اور فقیرانِ بے نوا جن کے پاس اللہ کے نام اور قلب میں "لا الٰہ الا اللہ" کی طاقت کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہوتا، جب محض اللہ کے لئے وقت کے ظالموں اور جابروں سے ٹکراتے ہیں ـــــ تو بڑے بڑے فرعون و نمرود ان کے سامنے لرزہ براندام نظر آتے ہیں ؎

با سلاطیں می فتد مردِ فقیر　　از شکوہِ بوریا لرزد سریر

از جنوں می افگند ہوئے بہ شہر　　وا رہاند خلق را از جبر و قہر

قلبِ اُو را قوت از جذب و سلوک

پیشِ سُلطاں نعرۂ او "لا ملوک"

یہ بندگانِ خدا چونکہ اپنی ہستی کو بالکل مٹا دیتے ہیں، اور جو کچھ کرتے ہیں صرف اللہ کے لئے، اور اس کی طرف سے کرتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ ان کے اقدامات اور ان کے افعال کو اپنی طرف منسوب فرما لیتا ہے، اور پھر

ان کی لاج رکھتا ہے، حدیث قدسی میں " حَتّٰی کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ وَیَدَهُ الَّذِیْ یَبْطِشُ بِهٖ[1] " (او کما قال) اسی حال کی تعبیر ہے، یہی وہ خاصانِ خدا ہوتے ہیں جن کے متعلق حدیث نبوی میں ہے کہ اگر یہ اللہ پر کوئی قسم کھا بیٹھیں، تو پھر اللہ ان کی قسم پوری کرتا ہے (لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ) اے کاش! ہم " لا الٰہ الا اللہ " کے اس مقام کی حقیقت، اس کے جلال وقوت اور اس کی کارفرمائیوں اور کشودکاریوں سے کچھ آشنا ہی ہو جائیں۔

توحید کا یہ درجہ کہ بندہ کی مراد اور اس کا محبوب اور مقصود و مطلوب حق تعالیٰ کے سوا کچھ نہ رہے، اگرچہ عام نہیں ہے، اور نہ ایمان واسلام یا نجات اس پر موقوف ہے (بلکہ یہ صرف کمال ایمان کا درجہ ہے[2]) جیسا کہ ابوامامہ

---

[1] یہ ایک صحیح حدیث ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بعض بندے قرب الٰہی کے مقامات طے کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ انکی آنکھیں اور ان کے ہاتھ ان کے نہیں رہتے، بلکہ وہ چونکہ صرف اللہ کیلئے استعمال ہوتے ہیں اسلئے انکی یہ ساری قوتیں گویا اللہ کی ہو جاتی ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ نعوذ باللہ یہ لوگ خدا ہو جاتے ہیں، یا خدا ان کا جزو ہو جاتا ہے ۱۲۔

[2] حضرت امام ربانی ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔
" واین قسم نفی آلہہ متکثرہ نمودن واز نفی مقصودیت بنفی معبودیت غیر آمدن، شرط کمال ایمان است کہ بولایت مربوط است " (مکتوب نمبر ۳۰، جلد سوم)

کی مذکورہ صدر حدیث کے لفظ "فَقَدْ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ" سے بھی ظاہر ہے)
لیکن اس میں شبہ نہیں کہ یہ ہے اتنی بڑی دولت کہ اگر جانیں اور عمریں کھپا کے اور دنیا کی ساری لذتیں اور راحتیں ہمیشہ کے لئے قربان کر کے بھی حاصل ہو سکے تو بڑی ارزاں ہے، اور حاصل نہ کرنیوالے بڑے بے نصیب ہیں، مگر اس راہ کے عارفوں کا بیان ہے کہ اگر طلب صادق ہو، اور کوشش صحیح طریقے پر ہو تو یہ بہت زیادہ مشکل الحصول بھی نہیں ہے کہ ہم اس کی آرزو اور اسکے لئے کوشش بھی نہ کر سکیں، بلکہ ارباب ہمت کے لئے راستہ کھلا ہوا ہے اور سچے طالبوں کو خود اللہ کی رحمت اپنی طرف کھینچ ہی لیتی ہے، اس رحیم و کریم نے اپنے ذمہ لکھ دیا ہے:۔

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا	اور جو لوگ ہمارے راستہ میں کا حقہ
لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا	جدوجہد کریں ہم ضرور انپر اپنے راستے
وَیَهْدِیْ اِلَیْهِ	کھولیں گے۔۔ رجوع کر لیتا ہے اللہ
مَنْ یُّنِیْبُ۔	کیطرف اسکو اللہ راستہ پر لگا دیتا ہے

بہر حال اگر سچی انابت ہو اور جُہد و قربانی کا حقہ اور صحیح طریق پر ہو، تو پھر محروم رہنے کی کوئی وجہ نہیں، بالکل سچی ترجمانی کی ہے منتہ اللہ کی جس نے کہا ہے، ؎

درحضرتِ ما دوستی یکدلہ کن ہر چیز کہ غیر ماست آزاد کن
یک صبح باخلاص بیا بر درِ من گر کار تو بر نیاید گلہ کن

توحید کامل کے مقام تک پہنچنے کیلئے ابتدائی نصاب

آپ کے واسطے اس منزل مقصود کی طرف جانے کے لئے صحیح ترراستہ تو وہی ہوگا جو اس منزل کا کوئی شناسا اور اس کا کوئی راہبر آپ کے لئے تجویز کرے لیکن ہم جیسے مبتدیوں کے لئے ایک عمومی تدبیر جس میں انشاء اللہ کوئی خطرہ اور کھٹکا نہیں ہے، اور جو اس راہ کے عارفوں ہی کی بتلائی ہوئی اور لکھی ہوئی ہے یہی ہے کہ اس حقیقت کا دھیان کرکے کہ "اللہ کے سوا میرا کوئی مقصود و مطلوب نہیں" اسی کلمہ "لا الٰہ الا اللہ" کے ذکر کی کثرت کی جائے، یعنی تسلسل اور تکرار کے ساتھ دل اور زبان ہم آواز ہو کے ادا کریں "لا الٰہ الا اللہ" (اللہ کے سوا کوئی مقصود و مطلوب نہیں) اس معنی کے دھیان کے ساتھ اس ذکر کی کثرت ہی سے انشاء اللہ یہ کیفیت پیدا ہونے لگی گی، اور خدا نے چاہا تو ترقی کرتی جائے گی[1]

---

[1] امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رح اپنے ایک مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں۔

"در تحصیل ایں دولت مناسب حال سالک مبتدی کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ لا مقصود الا اللہ ست چنداں تکرار ایں کلمہ باید کہ از معبودیت غیر نامے ونشانے نماند و مراد جز او تعالیٰ ہیچ چیز نبود (مکتوب نمبر ۱۲، جلد سوم) نیز اسی جلد کے تیرھویں مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں۔

"ملتزم ذکر نفی و اثبات باشید و جمیع مرادات را بتکرار ایں کلمۂ طیبہ از ساحت سینہ برآید تا مقصود و مطلوب و محبوب جز یکے نباشد" (مکتوب نمبر ۱۳، جلد سوم)

(تنبیہ) سطورِ بالا میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کو اس مقصدِ عظیم، یعنی "توحید" اور "اخلاص" کے اعلیٰ مقام کے حصول کا پورا نصاب سمجھا جائے، یہ تو اس راہ کے بعض رہبروں نے محض ابتدائے کار کے لئے لکھا ہے، گویا یہ صرف بسم اللہ ہے، ورنہ اس راستہ کے طے کرنے کے لئے عام طور پر اللہ کے کسی صاحبِ اخلاص بندہ کی رہنمائی اور نگرانی کی ضرورت ہوتی ہی ہے، وہی سالک کے حالات کی رعایت رکھتے ہوئے ہر موقع اور ہر منزل پر صحیح مشورے دے سکتا ہے، بلکہ ائمۂ فن نے تصریح کی ہے کہ "تزکیۂ قلب" اور تحصیلِ مقام قرب و اخلاص" کے بارے میں ذکر کا جو اثر ہوتا ہے وہ بھی (مختلف وجوہ سے جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے) کسی صاحبِ دل شیخ کی تلقین اور نگرانی کی وجہ سے اور صحبت کی برکت سے قوی تر ہو جاتا ہے، اگرچہ ذکر کے اجرِ اُخروی میں اس کی وجہ سے کوئی خاص کمی بیشی نہیں ہوتی۔[1]

بہرحال اس راستہ میں کسی واقفِ رسم و راہ بندۂ خدا کی رہنمائی اور صحبت عام حالات میں قریب قریب ضروریات ہی میں سے ہے، اس کے بغیر "حقیقی اخلاص" کا حصول اور اس میں استقامت، جیسا کہ اس راہ کے تجربہ کاروں نے لکھا ہے اخص الخواص ہی کا حصہ ہے، اور مستثنیات میں

---

[1] ملاحظہ ہو مکتوبات امام ربانی، جلد سوم، مکتوب بست و پنجم ۲۵ ۱۲

سچ ہے، سچ کہا ہے کہنے والے نے ؎

دیں نگردد پختہ بے آدابِ عشق | دیں بگیر از صحبتِ اربابِ عشق
ظاہر او سوزناک و آتشیں | باطنِ او نورِ ربّ العالمیں

(اقبال)

یہاں تک تو "لا الٰہ الا اللہ" کے معنی اور توحید کے درجات اور ان کے متعلقات کا بیان تھا، اب آخر میں اس مبارک اور مقدس کلمہ "لا الٰہ الا اللہ" کی عظمت اور اہمیت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات نقل کئے جاتے ہیں، یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی بھی اس کلمہ کی عظمت و اہمیت کا عارف نہیں ہوسکتا:۔

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث میں بھی ایک مشہور حدیث مروی ہے اس کا پہلا جز یہ ہے:۔

اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ | ایمان کے ستر سے بھی کچھ اوپر شعبے
شُعْبَةً فَاَفْضَلُهَا | ہیں، اُن میں افضل ترین شعبہ
قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ | "لا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ" کہنا ہے

(۲)

مسند احمد اور معجم طبرانی وغیرہ کتب حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث بھی مروی ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَدِّدُوْا اِیْمَانَکُمْ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَکَیْفَ نُجَدِّدُ اِیْمَانَنَا؟ قَالَ اَکْثِرُوْا مِنْ قَوْلِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے ایمانوں کی تجدید یعنی ان کو تازہ کرتے رہا کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہؐ! ہم کس طرح اپنے ایمان کی تجدید کیا کریں ؟ آپ نے فرمایا۔ "لاالٰہ الا اللہ" کثرت سے پڑھا کرو

(۳)

حضرت جابر کی مشہور حدیث ہے جو ابن ماجہ اور نسائی وغیرہ میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔

اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ۔

تمام اذکار میں افضل و اعلیٰ "لا الٰہ الا اللہ" ہے

(۴)

اور نسائی اور حاکم اور بیہقی وغیرہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ایک حدیث قدسی روایت کی ہے، جس کا آخری حصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا ۔

لَوْ أَنَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ	اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں
وَالْأَرَضِيْنَ السَّبْعَ فِيْ	ایک پلڑے میں رکھی جائیں اور
كِفَّةٍ وَّلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ	لا الٰہ الا اللہ دوسرے پلڑے میں تو
فِيْ كِفَّةٍ مَالَتْ بِهِمْ	لا الٰہ الا اللہ والا پلڑا ہی بھاری
لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ۔	ہوگا۔

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

کلمۂ طیبہ کا دوسرا جزو

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

(حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اس کے پیغمبر ہیں۔)

توحید کے بعد اسلام کی دوسری بنیاد سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانا اور اس کی شہادت دینا ہے۔

رسالت کی حقیقت اور پیغمبری کے منصب کو سمجھنے کے لئے اور بالخصوص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سلسلہ میں جو ممتاز مقام ہے، اس سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے مندرجۂ ذیل باتوں کو ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔

(۱) "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ" کہہ کے ہم نے توحید کی شہادت دی تھی اور اپنے اس اعتقاد و ایمان کا اعلان اور اس حقیقت کا اعتراف کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمارا معبود ہے، لہٰذا ہم اس کی اور صرف اسی کی عبادت کریں گے اور وہی ہمارا مالک اور حقیقی بادشاہ ہے، لہٰذا اس کے اور صرف اسی کے حکموں پر چلیں گے، اور وہی ہمارا مقصود و مطلوب ہے اس لئے اسی کی رضا جوئی کو ہم اپنا نصب العین اور مقصدِ حیات بنائیں گے اور اسی کیلئے جئیں گے اور اسی کیلئے مریں گے۔

(۲) لیکن ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کا صحیح طریقہ معلوم ہو، اور اس کے اُن احکام کا بھی علم ہو، جن پر وہ ہم کو چلانا چاہتا ہے۔ اور اس کی رضامندی و ناراضی کے اصول و موجبات سے بھی ہم باخبر اور اس کے تقرب کی راہوں سے بھی ہم آشنا ہوں ہماری اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے شروع دنیا سے نبوت و رسالت کا مقدس سلسلہ جاری کیا، اور انہی چیزوں کی تعلیم و ہدایت کے لئے مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں اور قوموں میں اس نے اپنے رسول بھیجے، اور جنھوں نے اپنے اپنے وقت میں اپنی اپنی امتوں کو اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت کرائی، توحید کا درس دیا، اور اس کی ذات و صفات اور مبدأ و معاد کے متعلق صحیح عقائد کی تلقین کی نیز اللہ کی عبادت کے صحیح طریقے ان کو بتلائے، اور معاملات و معاشرت وغیرہ کے بارہ میں اس کے احکام و قوانین اُن تک پہونچائے، اور رضائے الٰہی و قرب خداوندی کی طرف جانیوالے راستے کو ان کے لئے روشن کیا (صلوٰۃ وسلام ہو اُن سب پر)

(۳) لیکن اب سے دو ڈھائی ہزار برس پہلے تک دنیا میں بسنے والی قومیں چونکہ ایک دوسرے سے بالکل الگ تھلگ اپنے اپنے علاقوں میں محدود اور مقیّد تھیں اور دنیا کے مختلف حصوں میں آمد و رفت اور میل جول کی جو صورتیں بعد میں پیدا ہوئیں اس وقت تک وہ وجود میں نہیں آئی تھیں، جس کی وجہ سے

مختلف ملکوں میں رہنے والی قوموں کے مزاج اور احوال میں غیر معمولی فرق تھا اس لئے اس وقت تک جتنے پیغمبر آتے تھے وہ عموماً اپنے اپنے علاقوں اور اپنی اپنی قوموں ہی کی ہدایت کے لئے آتے تھے، نیز اس وقت تک عام انسانوں کی اندرونی صلاحیتیں بھی نامکمل تھیں گویا انسانیت ابھی نابالغ اور سنِ طفلی میں تھی، اور کسی کامل و مکمل دین کے تحمل کے قابل نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے ان پیغمبروں کے ذریعے اللہ تعالیٰ جو احکام اور جو قانون و دستور ان قوموں کے لئے بھیجتے تھے اس میں ان کے مخصوص مزاج اور احوال کی رعایت کے ساتھ ان کی اندرونی صلاحیت اور حدِ برداشت کا بھی لحاظ رکھا جاتا تھا جس کی وجہ سے ان کی شریعتوں میں احکام کی کمی بیشی، اجمال و تفصیل اور سختی و نرمی کے لحاظ سے باہم کچھ فرق بھی ہوتا تھا۔

نبوت و رسالت کا یہ سلسلہ چلتا رہا، اور اللہ ہی جانتا ہے کہ اُس کی طرف سے کتنے پیغمبر کن کن قوموں میں کس کس وقت آئے، ان میں سے چند پیغمبروں کے نام اور ان کے کچھ حالات و واقعات بھی ہم کو قرآن مجید میں بتلائے گئے ہیں اور ساتھ ہی تصریح کر دی گئی ہے کہ ان کے علاوہ بھی اور بہت سے پیغمبر ہم نے مختلف قوموں میں بھیجے ہیں، ہم ان سب انبیاء و رسل کی تصدیق کرتے ہیں، اور ان کی ہدایت و رہنمائی اور پیغمبرانہ مساعی کا اعتراف اور ان کی تعظیم و توقیر کو اپنا دینی فرض جانتے ہیں ——— (اللہ کا صلوٰۃ وسلام ہو

ان سب پر)۔

(۴) پھر اب سے کوئی ڈیڑھ ہزار برس پہلے اللہ کے ہزاروں پیغمبروں کی تعلیم و تربیت کے نتیجے میں اور ہزاروں سال کی فطری تدریجی ترقی کے بعد جب انسانوں کی وہ اندرونی صلاحیتیں مکمل ہوگئیں جن کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے ہم کو دین کا مکلف کیا ہے، گویا جب انسانیت اپنی دینی استعداد کے لحاظ سے سنِ بلوغ کو پہونچ گئی، اور اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ نے اسی زمانہ میں دنیا کی مختلف قوموں اور مختلف ملکوں کے درمیان تعارف اور میل جول کے ایسے اسباب بھی پیدا کرنے شروع کر دیے جن کی وجہ سے علوم و افکار اور اخلاق و عادات ایک قوم سے دوسری قوم میں، اور ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف منتقل ہونے لگے، اور ایک ملک کی آواز دوسرے ممالک تک پہونچ سکنے کی صورتیں پیدا ہوگئیں۔ الغرض جب اس طور سے وہ دنیا جو بہت سے الگ تھلگ ٹکڑوں میں بٹی ہوئی تھی "ایک دنیا" بن گئی، تو وقت آگیا کہ پوری دنیا کے لیے ایک ہی کامل و مکمل دین اور ایک ہی دستور و آئین بھیجدیا جائے، اور سب ملکوں اور ساری قوموں کے لیے ایک ہی رسول مبعوث کیا جائے۔

(۵) پس اسی فطری تقاضے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے جزیرہ نمائے عرب کے مرکزی شہر مکہ معظمہ میں سرورِ کائنات رحمتِ عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دنیا کے لئے رسول، اور ساری قوموں کے واسطے ہادی بنا کے بھیجا، اور

حکم دیا کہ ساری دنیا کے انسانوں کو پیغام دو:۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ	کہہ اے انسانو میں تم سب کی طرف اُس خدا کا
اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ِ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ	بھیجا ہوا پیغمبر ہوں جس کی بادشاہی اور فرمانروائی
وَالْاَرْضِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ	ہے زمین اور آسمانوں میں اُس کے سوا کوئی
فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ	عبادت کے لائق نہیں وہی زندگی دیتا ہے
الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ	اور وہی موت دیتا ہے پس اُس اللہ پر
وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۔	ایمان لاؤ اور اسکے رسول نبی اُمّی پر جو خود اللہ اور

(الاعراف ۔ ع ۲۰) اسکے احکام پر ایمان رکھتا ہے اور اسکا اتباع کرو تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔

(حاشیہ صلہ) لہ آپ ڈیڑھ ہزار برس پہلے کی دنیا کا نقشہ اور اس وقت کی مختلف قوموں کی تاریخ سامنے رکھیں تو بڑی آسانی سے یہ چیز آپ کی سمجھ میں آسکتی ہے کہ ساری دنیا کی پیغمبری کے لئے اس وقت عرب کے ایک انسان کا انتخاب کیوں کیا گیا۔ مندرجہ ذیل حقیقتوں پر ذرا غور کیجئے:۔

(الف) عرب کا ملک ایشیا اور افریقہ کے بالکل وسط میں واقع ہے اور یورپ بھی یہاں سے قریب ہی ہے، بالخصوص اس کا وہ جنوبی حصہ جس میں اُس زمانہ کی متمدن قومیں زیادہ تر آباد تھیں عرب سے قریباً اتنے ہی فاصلہ پر ہے جتنے فاصلہ پر کہ ہندوستان ہے۔ الغرض اولاً تو اس مخصوص جغرافیائی پوزیشن کی وجہ سے عالمگیر پیغمبری کے لیے اس وقت عرب ہی موزوں ترین مقام ہوسکتا تھا۔

(ب) ثانیاً یہ حقیقت بھی ناقابلِ انکار ہے کہ اُس زمانہ کی تمام قوموں میں عرب قوم ہی

(باقی ص ۳۸ پر)

(بقیہ حاشیہ ص۳۷) چند ایسے عادات و خصائل اور امتیازی اوصاف اپنے اندر رکھتی تھی جو اتنے بڑے کام کے لیے ضروری تھے، مثلاً اس کا دل و دماغ صاف اور اس کی زندگی سادہ تھی اور کسی فلسفہ اور کسی نظامِ فکر اور کسی تمدن کی جڑیں اس کے دل و دماغ کی زمین میں جمی ہوئی نہ تھیں، جن کا اکھاڑنا اور ان کی جگہ نئے فلسفہ اور نئے تمدن کو جمانا مشکل ہوتا۔ نیز یہ قوم کسی سیاسی نظام کی بندشوں میں جکڑ بند نہ ہونے اور غلامی کی ہوا سے بھی محفوظ رہنے کی وجہ سے بڑی بلند حوصلہ بے پناہ عزم و ہمت کی مالک، نہایت خود دار اور غیور، شجاعت پیشہ، اپنی بات کے لیے بے دریغ اور بے حساب قربانیاں کرنے والی، سخت جفاکش، اور مشکلات سے کبھی نہ منہ موڑنے والی اور اپنی فطرت میں نہایت قابل و تابناک جوہر رکھنے والی قوم تھی، تاریخ ان سب حقیقتوں کی گواہ ہے، اور عربوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد جو کچھ دنیا میں کر کے دکھایا وہ ہمارے اس بیان کا روشن ثبوت ہے۔

(ج) پھر اس قوم کے پاس ایک نہایت اعلیٰ اور ترقی یافتہ زبان تھی، جو کسی عالمگیر اصلاحی انقلاب کا ذریعہ بننے کے لیے اس وقت کی تمام دوسری زبانوں سے زیادہ صلاحیت رکھتی تھی، اور آج بھی اس کی یہ خصوصیت جوں کی توں باقی ہے، کسی غیر عربی داں کیلئے عربی زبان کی اس خصوصیت کا اندازہ کرنا تو مشکل ہوگا لیکن عربی داں جانتے ہیں کہ اس زبان میں کس بلا کی قوت اور کسی دعوت کا ترجمان اور ذریعہ تبلیغ بننے کی کتنی اعلیٰ صلاحیت ہے۔

بہرحال یہ وہ وجوہات جن کو پیش نظر رکھ کر ہر عقل والا سمجھ سکتا ہے کہ اس وقت عالمگیر پیغمبری کے لیے ملک عرب اور عربی قوم ہی کا انتخاب ہونا چاہئے تھے۔

اور چونکہ انسانیت اپنی دینی استعداد کے لحاظ سے کامل ہو چکی تھی[۱] اور اس میں کامل و مکمل دین کے تحمل کی صلاحیت آچکی تھی، اس لیے اسی نبی امی کی تعلیم کے ذریعے دینی نظام کی آخری تکمیل بھی کر دی گئی، اور اعلان فرما دیا گیا:—

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ	آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا
وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ	اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی[۲]۔

(المائدۃ - ع ۱)

(۶) پھر دین کی اس تکمیل کے بعد حکمتِ الٰہی کا یہ بھی تقاضا ہوا کہ اس دین کو ہمیشہ کے لیے ہر قسم کی تحریف اور ملاوٹ سے محفوظ کر دیا جائے، اور اس کی حفاظت کا ایسا انتظام کر دیا جائے کہ دنیا ہمیشہ ہمیشہ اس سے روشنی حاصل

---

[۱] بعد کے زمانوں میں بالخصوص یورپ کی اس نشاۃ ثانیہ کے دور میں علوم و فنون اور ایجادات و انکشافات میں جو ترقیاں ہوئی ہیں ان کی وجہ سے کسی کو یہ مغالطہ نہ ہونا چاہیے کہ "انسانی صلاحیت" برابر ترقی پذیر ہے، کیونکہ یہ ترقی دراصل ایجادات اور تجربات کی ترقی ہے، اور اس کا تعلق مادیات سے ہے، اور ہماری گفتگو جس صلاحیت میں ہے وہ بالکل دوسری چیز ہے، اور ہر واقف حال جانتا ہے کہ اس راہ میں یورپ نے ایک انچ بھی ترقی نہیں کی ہے۔ ۱۲

[۲] قرآن مجید کے اس اعلان اور اس دعوے سے قطع نظر بھی کر لیا جائے تو اسلام کا کامل و مکمل دین ہونا اور کتاب اسلام (قرآن مجید) کا ہر زمانہ اور ہر ملک کے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے کافی وافی ہونا، ایک ایسی ظاہر و آشکارا اور تجربے میں (باقی صفحہ ؟ پر)

کرتی رہے۔ چنانچہ قدرتِ خداوندی نے ایسے اسباب پیدا فرما دیے کہ یہ آخری مکمل دین اور اس کا صحیفہ (قرآن مجید) ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گئے[۱] اور

ہے کہ کوئی دشمن بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ اس عرصے میں کتنے انقلابات آئے کتنے فلسفے، کتنے نظریے، کتنے قوانین اور کتنے ضابطے بنے اور بگڑے، اور دنیا نے انھیں فرسودہ اور ناقابلِ عمل قرار دیکر رد کر دیا، لیکن "نبی امی" کا پیش کیا ہوا اسلام اور اس کا صحیفہ قرآن مجید اٹل اپنی جگہ پر ہے، اور آج تیرہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اس کا کوئی ذہین سے ذہین دشمن اسکے کسی ایک حکم میں بھی ادنیٰ تبدیل و ترمیم کی ضرورت ثابت نہیں کر سکتا۔ نیز اسلام اور قرآن کے کامل اور اٹل ہونے کا اس سے بھی بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس کے نہ ماننے والے بھی آہستہ آہستہ اسکے اصولوں کو اختیار کرتے جا رہے ہیں، اِن اوراق میں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے، ورنہ بتلایا جا سکتا ہے کہ الٰہیات سے لے کر معاملات و معاشرت تک آج کی "ترقی یافتہ" قومیں اسلام کی کس طرح خوشہ چینی کر رہی ہیں، اور کس قدر تیز رفتاری سے اسلام کے اصولوں کو اپناتی جا رہی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر اسلام (کامل و مکمل اسلام) دنیا کے کسی خطے میں بھی عملی شکل میں اس وقت قائم ہوتا، یعنی اسلام کے اجتماعی اور انفرادی تمام قوانین اور اسکی تعلیمات و ہدایات کا عملی نمونہ کہیں دیکھا جا سکتا، تو یقیناً دنیا کی بہت سی صاحبِ اقتدار قومیں اسکے زیرِ سایہ آ جانے ہی میں اپنی اور کل انسانیت کی نجات سمجھتیں۔ کاش! مسلمان اور مسلمانوں کی حکومتیں اپنے منصب اور اپنی اِس خاص ذمہ داری کو سمجھیں۔ ۱۲

[۱] قرآن مجید کی یہ حفاظت (اور اسکے ذریعہ دین اسلام کی حفاظت) (بقیہ ص ۴۱ پر)

کسی ملاوٹ، کسی تبدیل و تحریف اور کسی شک شبہ کے لیے راستہ ہی نہیں رہا اور
اس حفاظت کی ضمانت کا اعلان قرآن مجید میں بھی فرما دیا گیا:-----

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰ کا) دین حق کا ایسا معجزہ ہے، جو اسلام کے منکروں کے لئے آج بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی حجت اور نہایت روشن دلیل ہے۔ ذرا غور تو کیجیے، قرآن مجید کا طرز بیان عام انسانوں حتیٰ کہ خود اہل عرب کے طرز کلام سے بھی ممتاز اور نرالا ہے، اور جس جاہلی ماحول اور جس ظلماتی فضا میں وہ نازل ہوا ہے اُس میں اس کے مضامین بھی لوگوں کے لیے اچنبھے کی باتیں ہیں جن سے وہ ذرا مانوس نہیں ہیں، پھر جس ہستی پر وہ نازل ہوا ہے وہ "اُمّی" ہے نوشت و خواند سے ناآشنا ہے، خود قرآن کے بیان کے مطابق مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتٰبُ اُس کا حال ہے، یعنی وہ اپنے قلم سے ایک سطر بلکہ ایک کلمہ لکھنے پر بھی قادر نہیں ہے، بلکہ اس کو اگر کبھی کچھ لکھانا ہوتا ہے تو دوسروں ہی سے لکھایا جاتا ہے پھر قرآن دس پانچ ورق کا کوئی چھوٹا سا صحیفہ نہیں ہے، بلکہ اچھی خاصی ضخیم کتاب ہے اور زمانہ پریس کا بھی نہیں ہے کہ جو کتاب ایک دفعہ چھپ جائے وہ محفوظ ہو جائے بلکہ صورت یہ ہے کہ جس ملک اور جس قوم میں قرآن نازل ہوا ہے اس میں لکھنے پڑھنے کا رواج بھی بہت کم ہے، اسلئے ایسا بھی نہیں کہ اس کے بہت سے مکمل نسخے عہد نبوی میں تیار ہو گئے ہوں بہرحال جس کتاب کی یہ سرگزشت ہو اور جو اسباب حفاظت سے اس قدر تہی دست ہو اس کتاب کا اس طرح محفوظ رہ جانا جس طرح قرآن مجید محفوظ ہے، اگر معجزہ اور قدرت الٰہی کا خاص کرشمہ نہیں، تو کیا ہے۔؟ -۱۲

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ	ہم نے ہی اس قرآن کو اتارا ہے
وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔	اور ہم خود ضرور بالضرور اس کی
(سورۂ حجر۔ ع ۱)	حفاظت کرنے والے ہیں۔

یہیں سے آپ نے یہ بھی سمجھ لیا ہوگا کہ جب دین آخری حد تک مکمل بھی ہوگیا، اور محفوظ بھی، تو اب دنیا کو کسی نئی نبوت اور نئے ہدایت نامہ کی مطلق ضرورت نہیں رہی۔ لہذا نبوتِ محمدیؐ کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ محض جھوٹ اور افترا علی اللہ ہے۔

جو ایمانی اور تاریخی حقیقتیں مندرجۂ بالا تمہیدی سطور میں ذکر کی گئی ہیں (جو ازروئے عقل بھی ثابت اور واجب التسلیم ہیں اور ازروئے نقل بھی) ان سب کا نتیجہ اور حاصل یہ ہوا کہ:

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے اور اپنے احکام اور اپنی مرضیات سے ان کو باخبر کرنے کے واسطے نبوت کا جو سلسلہ ابتدائے دنیا سے جاری کیا تھا سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس مقدس و مبارک سلسلے کی آخری کڑی ہیں (یا خود اپنی تمثیل کے مطابق عمارتِ نبوت کی آخری اینٹ ہیں) حق تعالیٰ کے معتمد نمائندے اور اس کی مرضیات کے سچے ترجمان ہیں۔ انکا پیغام اللہ کا پیغام اور انکی ہدایت اللہ کی ہدایت ہے، لہذا انکی اطاعت و فرمانبرداری

بعینہٖ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری اور ان کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے کیونکہ وہ جو کچھ کہتے ہیں اللہ ہی کی طرف سے کہتے ہیں اور اسی کا حکم پہونچاتے ہیں:-

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ	جس نے رسول کی اطاعت کی
أَطَاعَ اللّٰهَ -	اُس نے درحقیقت اللہ ہی کی
(النسا - ع ۵)	اطاعت کی۔
مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى	یہ رسول اپنے جی سے نہیں بولتے
إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى	بلکہ (جو ہدایت یہ دیتے ہیں) وہ
(النجم - ع ۱)	ہماری ہی وحی ہے جو ان پر کیجاتی ہے۔

؎ گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا اگر اس کی روشنی میں آپ نے رسالت کی حقیقت اور اس کے مقصد و منصب کو سمجھ لیا ہے تو یہ حقیقت خود بخود آپ پر واضح ہو گئی ہوگی، کہ کسی ہستی کو اللہ کا رسول مان لینا اور اس کی رسالت کی شہادت دینا کیا معنی رکھتا ہے، اور اس کی وجہ سے آدمی پر کیا ذمہ داریاں عائد ہو جاتی ہیں۔ تاہم مسلمانوں کی موجودہ غفلت و خود فراموشی کے پیش نظر چند تصریحات ضروری معلوم ہوتی ہیں۔

کسی کو رسُول ماننے کا مطلب اور اُس کے لوازم

آپ نے جب کسی کو "اللہ کا رسُول" مان لیا اور اُس کی شہادت دی؛ تو درحقیقت آپ نے اپنے لیئے اور اپنی رائے میں ساری دنیا کے لیے بہت بڑے اور نہایت اہم چند فیصلے کر ڈالے۔ ایسے فیصلے کہ ان سے بڑے اور ان سے زیادہ انقلاب آفریں قسم کے کسی فیصلے کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا، گویا آپ نے اپنے دل دماغ اور اپنی زبان سے فیصلہ کر دیا کہ:—

(الف) خالقِ کائنات اور فاطرِ ہستی کے بارے میں؛ دنیا کے آغاز و انجام کے بارے میں؛ زمین و آسمان اور اس سارے جہان کے بارے میں وہ نبی رسول جو کچھ کہتا ہے اور بتلاتا ہے وہی اور صرف وہی حق اور سچ ہے۔ کیونکہ وہ اپنی غور و فکر سے نہیں، بلکہ خدائے علیم و خبیر کے بخشے ہوئے علم سے کہہ رہا ہے، اور دنیا بھر کے فلاسفہ اور مفکّرین و مصنّفین بھی اگر اس کے خلاف کہیں یا کہہ رہے ہوں، تو وہ سب باطل ہے، جھوٹ ہے، اور اندھوں کی اٹکل پچو ہے۔

(ب) وہ جن اَن دیکھی اور اَن سنی چیزوں کی خبر دیتا ہے، مثلاً فرشتوں کی ہستی اور اُن کے اوصاف و افعال بتلاتا ہے، یا مثلاً قیامت آنے اور اسکے بعد حشر برپا ہونے اور پھر آخرت میں حساب کتاب اور جزا سزا کے ہونے کی خبر دیتا ہے۔ یا جنت و دوزخ کا موجود ہونا، اور پھر جنت میں طرح طرح کی

نعمتوں کا اور دوزخ میں انواع واقسام کے دردناک عذابوں کا ہونا جس تفصیل سے وہ بیان کرتا ہے وہ سب حق ہے، بلا چون وچرا اس کا ماننا ضروری ہے کیونکہ وہ یہ سب باتیں خدا کی طرف سے تبلا رہا ہے، لہٰذا اُس کی بیان کی ہوئی (بالیقین اس کی بیان کی ہوئی) کسی چیز کے ماننے سے اگر کوئی انکار کرے تو وہ ایمان اور نجات سے محروم ہے۔

(ج) اسی طرح عبادات کے بارے میں، اخلاق وآداب کے بارے میں اور تمدن ومعاشرت کے بارے میں جو احکام اس نے دیے ہیں اور علیٰ ہٰذا سیاست وجہانبانی کے بھی جو اصول وقوانین اس نے تبلائے ہیں۔ الغرض انسانی زندگی کے ان تمام شعبوں میں اُس کی جو تعلیمات اور ہدایات ہیں وہ سب بالکل اٹل ہیں، واجب التعمیل ہیں، اور ان کے خلاف جو طور طریقے رائج ہیں خواہ وہ ہمارے ہی گھروں اور ہمارے ہی خاندانوں میں رائج ہوں اور خواہ ہمارے باپ دادوں ہی نے رائج کیے ہوں، اور خواہ دنیا کی کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی یافتہ قوم یا خود ہماری قوم اور ہماری حکومت ان کو اپنائے ہوئے ہو بہرحال وہ سب غلط ہیں، انسانیت کے لیے مضر اور مہلک ہیں، اور اس لیے لائق ترک بلکہ قابل شکست وریخت ہیں۔

الغرض کسی کو "اللہ کا رسول" ماننا اگرچہ بظاہر ایک مختصر سی بات ہے لیکن درحقیقت اپنی ذات اور ساری دنیا کے متعلق یہ تمام اہم فیصلے اس میں

مضمر ہیں، پس جو شخص کسی رسُول کی رسالت کی گواہی اپنی زبان سے دیتا ہے اور اس بنا پر اپنے کو اس کا امتی کہتا ہے لیکن اُس کا دل ان فیصلوں کیلئے آمادہ نہیں ہے تو درحقیقت وہ بڑے مغالطے میں ہے اور اس نے رسالتِ پیغمبری کا مطلب ہی نہیں سمجھا ہے ـــــــ کسی نبی و رسُول کی نبوت و رسالت پر ایمان لانے کا تو مطلب ہی یہ ہے کہ ہم نے اس کی ہر تعلیم و ہدایت کو حق، اور اسکے خلاف ہر نظریے اور ہر رواج اور ہر دستور کو غلط و باطل مان لیا اور مرضیاتِ الٰہی کے نمائندہ ہونے کی حیثیت سے ان کو اپنا واجب الاطاعت ہادی اور رہنما تسلیم کر لیا ـــــــ قرآن مجید میں بڑی صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے: ـــ

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى	قسم تمھارے پروردگار کی یہ لوگ
يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ	مومن نہیں ہو سکتے جب تک تم
بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي	کو حَکَم نہ مان لیں اپنے اختلافات میں۔
أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا	پھر نہ پائیں اپنے دلوں میں تنگی تمھارے
قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا	کیے ہوئے فیصلے سے، اور مان لیں
(النساء - ع ۹)	اس کو قطعی طور سے مان لینا۔

بہر حال نبی و رسُول کی تعلیم و ہدایت کے سامنے آجانے کے بعد مومن کو غور و تامل اور ترجیح و انتخاب کا اختیار نہیں رہتا بلکہ اس کا کام صرف مان لینا اور اُس کی تعمیل میں لگ جانا ہے، اور یہ ماننا بھی صرف قانونی اور جبری قسم کا

نہیں بلکہ دل وجان سے مان لینا، یہی شرطِ ایمان ہے۔

نبی و رسول کی حیثیت دنیا کے عام مصلحین اور لیڈرانِ قوم کی سی نہیں ہوتی، کہ اُن کو مصلح اور لیڈر ماننے کے باوجود اختیار رہتا ہے کہ اگر بالفرض اُن کی کوئی بات آپ کو مصلحتِ وقت کے خلاف یا غلط نظر آئے تو اس کو آپ نہ مانیں، بلکہ رسُول کی حیثیت جیسا کہ اوپر تفصیل سے بتلایا گیا اللہ کے صادق اور معتمد نمائندے کی ہے، جس کے متعلق مانا ہوا ہے کہ وہ جو بھی ہدایت دیتا ہے اللہ ہی کیطرف سے دیتا ہے، اسلئے اپنی رائے اپنے جذبے اپنی پسند اور اپنی خواہش کو اسکا غلام اور محکوم بنا دینا شرطِ ایمان ہے[1]۔

قرآن مجید میں صاف اعلان کر دیا گیا ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ — اور نہیں گنجائش کسی مومن مرد یا مومنہ

[1] اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اسلام انسانوں کی عقل ورائے کو بالکل بیکار قرار دے کر پیغمبروں کی باتیں خواہ مخواہ ماننے پر انکو مجبور کرتا ہے بلکہ اس بارے میں اسلام کا جو رویہ ہے وہ درحقیقت نہایت عاقلانہ ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ تم پیغمبر کو پہچاننے میں تو پوری عقل اور فکر و بصیرت سے کام لو، لیکن جب تم خوب سوچ سمجھ کے کسی کو اللہ کا رسُول مان لو، تو پھر اس کی ہر تعلیم و ہدایت کو منجانب اللہ سمجھ کے اُسکے سامنے سرِ تسلیم خم کر دو۔ اگر ایسا نہ کروگے تو اسکے معنی یہ ہوں گے کہ ابھی تم نے اُسکو رسُول مانا ہی نہیں ہے، یا پھر تم رسول کے معنی سے بھی نا آشنا ہو۔ ۱۲

إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا	عورت کے لیے اس بات کی کہ جب
أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ	فیصلہ کر دیں اللہ و رسول کسی بات کا، تو
أَمْرِهِمْ وَمَن يَعْصِ اللّٰهَ وَ	پھر انھیں اختیار ہو اپنے بارے میں اور جو
رَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا۔	کوئی نافرمانی کرے اللہ اور اُسکے رسول
(الاحزاب - ع ۵)	کی تو وہ کھلی ہوئی گمراہی میں پڑ گیا۔

اور حدیث نبویؐ میں اِس سے بھی زیادہ وضاحت اور صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے:—

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُونَ	تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا
هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ۔	تا وقتیکہ اسکی خواہش میری لائی ہوئی
(شرح السنۃ)	ہدایت کے تابع اور ماتحت نہ ہو جائے۔

درحقیقت منصبِ رسالت کا تقاضا یہی ہے کہ پیغمبروں کی ہر اُس بات کو بلا چون وچرا تسلیم کیا جائے، اور اُس کا پورا پورا اتباع کیا جائے جو وہ انسانوں کی ہدایت کے بارے میں فرمائیں۔

نیز پیغمبروں کی آمد کا مقصد صرف اس سے پورا نہیں ہوتا کہ آپ انکو صرف دل سے اور عقیدے میں پیغمبر مان لیں، اور ان کی شان میں مدح وثنا کے قصیدے پڑھا کریں، بلکہ پیغمبروں کی بعثت کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ اُنکا اتباع کیا جائے اور اُن کی ہدایتوں پر چلا جائے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔ (النساء ۔ ع ۹)	اور ہم نے تمام پیغمبروں کو خاص اسی واسطے مبعوث کیا کہ بحکم خداوندی اُن کی اطاعت کی جائے ۔

پس کسی کو خدا کا رسُول ماننا اور اُس کی رسالت کی شہادت دینا اپنی عملی زندگی کے متعلق بھی در حقیقت اِس بات کا عہد اور اقرار کرنا ہے کہ ہم نے اپنی زندگی کو اس رسُول کی ہدایت اور اس کی لائی ہوئی شریعت کے ماتحت کر دیا، اور ہم اس کے پیرو ہو کر ہی جئیں گے، اور پیروی کرتے ہوئے ہی مریں گے ۔

اور قرآن مجید میں صاف صاف اعلان کر دیا گیا ہے کہ کوئی شخص بغیر اتباعِ رسولؐ کے اللہ کو راضی نہیں کر سکتا :۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (آل عمران)	کہدو اے رسُول! اگر تم چاہتے ہو اللہ کو تو اتباع کرو میرا، اللہ تمھیں چاہنے لگے گا، اور تمھارے گناہ بخشدے گا ۔

منصبِ رسالت کے متعلق قرآن مجید کی مندرجۂ صدر تصریحات اور اس کے کھلے لوازم و نتائج کو ذرا دیر کے لئے ذہن میں حاضر کیجئے اور پھر سوچئے کہ "کلمۂ طیبہ" میں ہم جو "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" زبان سے کہتے ہیں اور آپؐ کی رسالت کی جو شہادت دیتے ہیں تو اس کی ذمہ داریوں کو ہم کہاں تک

پورا کر رہے ہیں۔ زبان سے اللہ کے کسی نبی و رسول کی نبوت و رسالت کی شہادت دینا اور زندگی بھر اس کے خلاف راستوں پر اطمینان سے چلتے رہنا ایمان نہیں نفاق ہے۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا۔

اللہ کے رسولؐ سے محبّت

کسی ہستی کو "رسُول اللہؐ" ماننے کے لوازم میں سے یہ بھی ہے کہ دنیا ومافیہا میں سب سے زیادہ اُس سے محبّت کی جائے، یعنی اللہ کے بعد وہی ہمیں سب سے زیادہ محبوب ہو۔

اچّھوں کی محبّت چونکہ انسان کی فطرت ہے، اور انبیاء ورسل چونکہ سب دنیا کے اچھوں سے اچھے بلکہ سب اچھوں کے سردار اور ساری ظاہری وباطنی خوبیوں کے جامع اور محاسن وکمالات کے پیکر ہوتے ہیں اور وہی دنیا کے سب سے بڑے محسن اور ہمدرد بھی ہوتے ہیں، اس لیے اُن سے اعلیٰ درجہ کی محبّت ہونا بالکل فطری بات ہے، اور یہی محبت درحقیقت مطلق اطاعت

اور بلا چون و چرا اتباع و تسلیم کی مشکل کو آسان کر دیتی ہے۔ بقول اقبال۔

عشق کی اِک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اِس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

انسان جب کسی سے عشق و محبت کرتا ہے تو اس کے اشاروں پر چلنا اور اسکے رنگ میں رنگ جانا اُس کی سب سے بڑی خواہش بن جاتی ہے، پھر اس راہ کے پتھر بھی اُسے پھول معلوم ہوتے ہیں، بلکہ محبوب کے اشارے پر اور اُس کو خوش کرنے کے لیے جان دینا بھی اسکے واسطے سہل ہو جاتا ہے —

عشق اگر فرماں دہد از جانِ شیریں ہم گزر
عشق محبوب است مقصود است جاں مقصود نے

غرض "ایمان بالرسولؐ" کے مقصدِ اصلی (اطاعتِ رسُولؐ) کی تکمیل بھی محبت رسُولؐ ہی سے ہوتی ہے، اور یہی منشاء ہے اس حدیث کا جس میں فرمایا گیا ہے کہ :۔ "تم میں سے کوئی بھی حقیقی مومن نہیں ہو سکتا، تا وقتیکہ اُس کو اپنے ماں باپ، اپنی اولاد، اور دوسرے تمام انسانوں سے بھی زیادہ مجھ سے محبت نہ ہو جائے"۔

" لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ " (بخاری و مسلم)

اگر آپ کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت ہو جائے تو کم از کم

اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسرّت اور آپ کے دُکھ درد میں آپ شریک ہو جائیں گے۔ یعنی جن چیزوں سے حضورؐ کو مسرّت اور خوشی ہوا کرتی تھی اُن سے آپ کو خوشی ہونے لگے گی، اور جن چیزوں سے آپ کو رنج اور صدمہ ہوا کرتا تھا اُن سے آپ کو بھی رنج اور صدمہ پہونچنے لگے گا، اور یہ بڑی دولت ہوگی۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے جذبات اور اوصاف و اخلاق کا پرتو بھی آپ پر پڑنے لگے گا، کیونکہ یہ محبت کا لازمی ثمرہ ہے، اور اس طرح آپ اپنی ذاتی خصوصیات اور عادات کو چھوڑتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و شمائل کی برکات کو اپنے میں جذب کرتے جائیں گے، اور یہی اُمتی کا کمال ہے ——— ؎

غنچہ از شاخسارِ مصطفیٰؐ گُل شو از بادِ بہارِ مصطفیٰؐ
از بہارش رنگ و بو باید گرفت بہرۂ از خُلقِ او باید گرفت
از مقامِ او اگر دور ایستی
از میانِ معشرِ ما نیستی

(اقبال)

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

کی چند اہم شاہکار تصنیفات

تاریخ دعوت و عزیمت مکمل ۵ حصے
مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش
انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر
منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین
دریائے کابل سے دریائے یرموک تک
تذکرہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی
تہذیب و تمدن پر اسلام کے اثرات و احسانات
تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب
مغرب سے صاف صاف باتیں
نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں
جب ایمان کی بہار آئی
مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت
حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب
عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح
تزکیہ و احسان یا تصوف و سلوک
مطالعہ قرآن کے بنیادی اصول
سوانح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا
قرآن کی عظمت
کاروان ایمان و عزیمت
سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری

نبی رحمت مکمل
حدیث کا بنیادی کردار
معرکۂ ایمان و مادیت
پرانے چراغ مکمل (دو حصے)
ارکان اربعہ
نقوش اقبال
کاروان مدینہ
ربانیت
تعمیر انسانیت
حدیث پاکستان
اسلامیات
صحبتے با اہل دل
کاروان زندگی مکمل
مذہب و تمدن
دستور حیات
حیات عبدالحئی
دو متضاد تصویریں
تحفۂ پاکستان
پاجا سراغ زندگی
عالم عربی کا المیہ

ناشر — فضل ربی ندوی —— فون ۶۱۱۸۱۷

مجلس نشریات اسلام ناظم آباد مینشن ۱-کے ۳ ناظم آباد کراچی ۱۸